تنظیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

مارچ، ۲۰۲۱

منتظم:
عمر فاروق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشادِ باری تعالیٰ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾

﴿سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱﴾

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے ﴿۱﴾

ارشادِ نبوی ﷺ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب قریش نے (معراج کے واقعہ کے سلسلے میں) مجھ کو جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو روشن کر دیا اور میں نے اسے دیکھ کر قریش سے اس کے پتے اور نشان بیان کرنا شروع کر دیئے۔

(صحیح بخاری ۳۸۸۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

محترم قارئین، السلام اعلیکم! الحمد اللہ تنظیم کی جانب سے مارچ ۲۰۲۱ء کا ماہنامہ جریدہ شائع ہونے جارہاہے۔ آگے بڑھنے سے قبل، یہ بات سمجھ لیناضروری ہے کہ تنظیم کی اشاعت کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟ تنظیم کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ اہل ایمان، خصوصاً مملکتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باسیوں کو یہ بات سمجھائی جاسکے کہ ہمارا اِس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں اس جہانِ فانی میں کیوں بھیجا گیا؟ مقصدِ حیات کیاہے؟ زندگی کیا صرف ایک مشغلے کانام ہے؟ آیا کیا ہمارے کچھ فرائض بھی ہیں یا ہمیں ایسے ہی بھیج دیا گیا۔ اور اسی مقصد کے حصول کیلیے مختلف مفسرین، مصنفین، خصوصاً بانیِ تنظیمِ اسلامی پاکستان، ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا پیغام ہر ایک کتب ورسائل میں شائع ہوتاہے۔

تنظیم انہیں مقاصد کی بناء پر مختلف کتب و کتابچے مثلاً مقصدِ حیات، کرسمس کی حقیقت، ہیں آج کیوں ذلیل!، کلمہ طیبہ کا پیغام، مملکتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام و پسِ منظر، قائداعظمؒ کے راز، پاکستان قومی زبان تحریک، اور اب قرآن کا قانون عذاب، معراج کا سفرنامہ، ہم اور ہمارا گھر، اسلام کا سفر ایمان سے شائع کرچکا ہے۔ یہ تمام کتب و کتابچے کم سے کم صفحات اور زیادہ سے زیادہ رہنمائی پر مشتمل ہیں۔ آپ ان کو باآسانی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ تنظیم کا پہلا دورہ ترجمہ قرآن ۲۰۲۱ء، رجب المرجب تا رمضان المبارک بھی اپنی شان و شوکت کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے اور ہم سب کو ہدایت کی راہ نصیب فرمائے۔ آمین، والسلام

عمر فاروق،
منتظم و مدیرِ اعلیٰ، تنظیم

کلام اقبالؒ

مارچ ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

گذر گیا وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا خارزار ہو گا

سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خاموشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیرِ میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے' خوار ہو گا

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(سلسلہ وار اشاعت)

باب اول، حصہ دوم: **ڈاکٹر اسرار احمدؒ**

قران کا قانونِ عذاب

جنوری ۲۰۲۱ء کے جریدے میں "**سابقہ اور موجودہ امت مسلمہ کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری**" کے باب "ہیں آج کیوں ذلیل!" کے موضوع پر تفصیلاً گفتگو کی گئی تھی۔ اب اسی کا حصہ دوم "قرآن کا قانون عذاب" شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اس کائنات میں ایک پتہ بھی اللہ کے اِذن کے بغیر جنبش نہیں کر سکتا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی پورے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اُن اٹل قوانین اور قواعد و ضوابط یعنی قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں اللہ کی اس "سنت" کے تحت ہوتا ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ جیسے کہ فرمایا سورۃ الاحزاب کی آیت ۶۲ میں کہ:

{ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿۶۲﴾ }

"اور تم ہرگز نہ پاؤ گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی!"

بعینہٖ یہی مضمون سورۂ فاطر کی آیت ۴۳ اور سورۃ الفتح کی آیت ۲۳ میں بھی وارد ہوا ہے۔ لہٰذا اگر آج پوری دنیا میں مسلمان شدید مصائب اور آلام سے دوچار ہیں تو یہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے کسی قانون یعنی اس کی اٹل اور مستقل سنت کے تحت ہو رہا ہے۔ اور اگر ہم دل سے چاہتے ہیں کہ یہ صورتِ حال تبدیل ہو تو لازم ہے کہ قرآن حکیم پر تدبر اور تفکر کے ذریعے اللہ کے قانونِ عذاب کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس لیے کہ اسی

پر اصلاحِ احوال کی صحیح اور موئثر تدابیر کے فہم و شعور کا انحصار اور دارومدار ہے۔

قرآنِ حکیم کے عام اسلوب کے مطابق اس کا ''قانونِ عذاب'' بھی کہیں پورے کا پورا یکجا بیان نہیں ہوا ہے' بلکہ اس کی مختلف دفعات متفرق طور پر مختلف مقامات پر وارد ہوئی ہیں۔ اور اگر اِن سب کو جمع اور مرتب کر کے ان کی پشت پر کار فرما حکمت سمیت بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو بات کچھ یوں بنتی ہے کہ:

(ا) یہ دنیا بنیادی طور پر دارالعذاب نہیں دارالامتحان ہے' اور جزا و سزا کا معاملہ اصلاً دنیا سے نہیں آخرت سے متعلق ہے۔ چنانچہ اس حیاتِ انسانی میں سے جو علامہ اقبال کے اس قول کے مطابق کہ ؎

''تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی!''

اتنی طویل ہے کہ دنوں' مہینوں اور سالوں کیا صدیوں میں بھی نہیں ناپی جا سکتی' موت کا ایک وقفہ ڈال کر: (؎ '' موت اِک زندگی کا وقفہ ہے۔ یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر!'') جو نہایت مختصر اور حقیر سا حصہ ''حیاتِ دُنیوی'' کی صورت میں علیحدہ کر لیا گیا ہے' اس کی اصل غرض و غایت آزمائش اور امتحان و ابتلاء ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا سورۃ الملک کی آیت ۲ میں کہ:

{ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ }

''اُس نے بنائی موت اور زندگی تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے اچھے عمل کرنے والا۔''

جس کی بہترین ترجمانی کی ہے علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کہ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس امتحان میں انسان کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا' جہاں اگرچہ اس غرض کے لیے تو قوموں اور اُمتوں کی اجتماعی پیشی بھی ہو گی کہ ان کی جانب مبعوث کیے جانے والے رسول استغاثے کے گواہوں کی حیثیت سے ان پر حجت قائم کر سکیں کہ ہم نے تو تمہیں اللہ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا' اب اپنے طرزِ عمل کے لیے تم خود جوابدہ ہو' تاہم اصل محاسبہ ہر انسان کا خالص انفرادی حیثیت پر ہو گا۔ جیسے کہ فرمایا سورۂ مریم کی آیت ۹۵ میں کہ:

{وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾}

''اوران میں سے ہر شخص قیامت کے دن اللہ کے حضور میں پیش ہو گا فرداً فرداً (یعنی اکیلا اکیلا)۔''

گویا انفرادی سطح پر کسی انسان پر جو مصیبتیں حیاتِ دُنیوی کے دوران نازل ہوتی ہیں وہ امتحان اور آزمائش کی غرض سے ہوتی ہیں' عذاب یا سزا کے طور پر نہیں۔ اس قاعدۂ کلیہ میں صرف ایک استثناء' جو بعض احادیث نبویہؐ سے معلوم ہوتا ہے' یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک اور مقبول بندے کو دنیا میں کسی تکلیف میں اس لیے مبتلا کر دیتا ہے کہ اسے اس کی کسی خطا کا کفارہ بنا دے' تا کہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائے۔ تاہم منطق کے عام قاعدے کے مطابق اس استثناء سے قاعدۂ کلیہ ختم نہیں ہوتا۔

(۲) البتہ اس قاعدۂ کلیہ کا کامل اطلاق صرف افراد پر انفرادی حیثیت سے ہوتا ہے۔ قوموں اور اُمتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی اجتماعی غلط روی اور

مجموعی بداعمالی کی سزا اکثر و بیشتر اس دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ بالکل صحیح فرمایا ہے علامہ اقبال نے کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف!

اور قوموں اور اُمتوں پر وارد ہونے والے اس اجتماعی عذاب کا تلخ ترین پہلو یہ ہے کہ اس میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے' یعنی گناہ گاروں کے ساتھ ساتھ بے گناہ بھی عذاب کا نوالہ بن جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ میں کہ:

{وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾}

''اور ڈرو اُس وبال سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو لاحق نہیں ہو گا' اور جان رکھو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

اگرچہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے ایک استثناء کی اُمید دلائی ہے' یعنی یہ کہ کسی قوم یا اُمت پر وارد ہونے والے اجتماعی عذاب سے ان لوگوں کے بچنے کی امید کی جا سکتی ہے جو نہ صرف یہ کہ خود بدی سے اجتناب کرتے رہیں' بلکہ اپنی قوم کو غلط روش اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیں' جیسے کہ سورۃ الاعراف میں اصحاب السبت پر نازل ہونے والے عذاب کے ضمن' میں فرمایا:

{ اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ } (آیت ۱۶۵)

''ہم نے بچا لیا ان لوگوں کو جو بدی سے روکتے رہے تھے۔''

(۳) قوموں اور اُمتوں پر دنیا میں نازل ہونے والے عذاب کی بدترین اور شدید

ترین صورت وہ ہے جس سے وہ قومیں دوچار ہوئیں جن کی جانب اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے ان پر اپنی دعوت و تبلیغ میں سعی بلیغ فرما کر اور حق کی قولی و عملی شہادت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھ کر اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے باوجود اُن کی قوموں نے بحیثیتِ مجموعی ان کی دعوت کو ردّ کر دیا اور حق کی راہ اختیار نہ کی تو ان پر "عذابِ استیصال" نازل ہوا۔ یعنی صرف رسولوں اور اُن معدودے چند لوگوں کو بچا کر جو اُن پر ایمان لائے' باقی پوری پوری قوموں کی جڑ کاٹ ڈالی گئی' یعنی انہیں نیست و نابود اور نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔ چنانچہ قرآن کا ہر قاری بخوبی واقف ہے کہ اسی عذابِ استیصال یا عذابِ اکبر کی مثالیں ہیں وہ عذاب جو قومِ نوحؑ' قومِ صالحؑ، قومِ لوطؑ' قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون پر نازل ہوئے' جن کے نتیجے میں کہیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ:

{ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ } (ھود ۶۸ اور ۹۵)

"وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں!"

کہیں فرمایا گیا کہ

: { لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ } (الاحقاف:۲۵)

"ان کے مکانوں اور مسکنوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا"۔

یعنی ان کے مکین نیست و نابود ہو گئے! اور کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ:

{ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ } (الانعام:۴۵)

"پس ان ظالموں کی جڑ کاٹ ڈالی گئی"۔

واضح رہے کہ اس نوع کے عذاب کے ضمن میں قرآن نے ایک سے زائد مرتبہ وضاحت اور صراحت کی ہے کہ یہ کسی رسول کی بعثت کے ذریعے اتمامِ حجت کے بعد ہی نازل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی نوع کے عذاب کے بارے میں فرمایا

گیا ہے کہ:

{ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ }

”اور ہم عذاب بھیجنے والے نہیں ہیں جب تک کسی رسول کو مبعوث نہ کر دیں۔“

اور سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں بھی یہی قاعدۂ کلیہ بیان ہوا کہ:

{ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ }

”اور آپ کے ربّ کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو ہلاک کر دے جب تک ان کے مرکزی مقام پر ایک رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیات سنا دے۔“

اس عذابِ استیصال یا عذابِ اکبر کے ضمن میں اللہ کی یہ سنت بھی قرآن میں بار بار بیان ہوئی ہے کہ جس قوم کی جانب اللہ تعالیٰ رسول کو مبعوث فرماتا تھا اس پر آخری اور بڑے عذاب سے قبل چھوٹے چھوٹے عذاب لوگوں کو جھنجوڑنے کی غرض سے نازل فرماتا تھا' تاکہ جو جاگ سکتے ہوں جاگ جائیں اور جن میں اصلاح پذیری کا مادہ موجود ہو وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ چنانچہ اسی سنتِ الٰہی کا ذکر ہے اختصار کے ساتھ سورۃ السجدۃ کی آیت ۲۱ میں:

{ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ }

”اور ہم انہیں لازماً مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے قبل' شاید کہ یہ رجوع کر لیں۔“

اور اسی کا تفصیلاً ذکر ہے سورۃ الانعام کی آیات ۴۱ تا ۴۵ اور سورۃ الاعراف کی آیات ۹۴ تا ۹۶ میں!

(۴) قوموں اور اُمتوں پر بحیثیت اجتماعی اس دنیا ہی میں نازل ہونے والے عذابِ الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو رسولوں کی اُمتوں پر ان کی غلط روی اور بداعمالی کے باعث

نازل ہوتا ہے۔ یہ عذاب مقدم الذکر عذابِ استیصال سے اس اعتبار سے تو ہلکا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے قوموں یا اُمتوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہوتا' لیکن اس اعتبار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ وقفہ وقفہ سے مسلسل آتا رہتا ہے۔ اور جب کوئی مسلمان اُمت اس نوع کے عذاب میں مبتلا ہوتی ہے تو اس پر جو کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسے منفی طور پر بیان کیا جائے تو وہ اس جہنمی انسان کی سی ہوتی ہے جو قرآن کے الفاظ میں

{ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴿۱۳﴾} (الاعلیٰ)

کا مصداق ہو جاتا ہے' یعنی "نہ وہ زندہ ہی رہتا ہے' نہ اسے موت آتی ہے۔" اور اگر اسے مثبت طور پر بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ع "زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا!"

اس قسم کے عذاب کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ جو قوم کسی رسول اور خاص طور پر کسی صاحبِ کتاب و شریعت رسول کی اُمت ہونے کی مدعی ہوتی ہے وہ گویا زمین پر اللہ کی نمائندہ ہونے کی دعوے دار ہوتی ہے۔ اب اگر اس کا طرزِ عمل اور رویہ اس کے دعویٰ کے برعکس ہو' اور وہ اپنے انفرادی اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار اور اپنی اجتماعی تہذیب و ثقافت اور معاشی و سیاسی نظام میں کتابِ الٰہی کی تعلیمات اور شریعت خداوندی کے احکام سے مختلف ہی نہیں متضاد نقشہ پیش کرے تو یہ جرم ناقابل معافی ہے' اس لیے کہ اپنے اس طرزِ عمل کے باعث یہ نام نہاد مسلمان اُمت بجائے اس کے کہ خلق اور خالق کے مابین واسطہ (اُمت وسط) اور رابطے کا ذریعہ بنے' الٹی حجاب اور رکاوٹ بن جاتی ہے' اور اس کو دیکھ کر اللہ کے بندے اللہ کے دین کی جانب راغب ہونے کی بجائے الٹے اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الصف کی آیات ۲' ۳ میں فرمایا گیا:

{يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝}

"اے ایمان کے دعوے دارو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ تمہارا یہ طرزِ عمل کہ جو زبان سے دعویٰ کرو اس پر عمل میں پورے نہ اُترو' اللہ کے غضب کو بہت بھڑکانے والا ہے!"

اس نوع کے اجتماعی عذاب میں مبتلا ہونے والی اقوام یا اُمتوں کا ایک وصف مشترک' جسے قسمت کی ستم ظریفی ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے' یہ ہے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ہم تو اللہ کے بہت چہیتے اور لاڈلے ہیں' اور ہمارا معاملہ دوسرے عام لوگوں کا سا نہیں ہے' بلکہ ہم اللہ کے یہاں خصوصی اور ترجیحی سلوک کے مستحق ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس جہل مرکب میں مبتلا قوم پر جیسے جیسے عذابِ الٰہی کے کوڑوں کی شدت بڑھتی جاتی ہے اس کے متذکرہ بالا زعم میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے' گویا صورت یہ بن جاتی ہے کہ اِدھر دُرّے پر دُرّہ پڑتا جاتا ہے اور اُدھر غرہ پر غرہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی کلاسیکل مثال ہے سابقہ اُمت مسلمہ یعنی یہود اور نصاریٰ کا یہ قول جو سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۸ میں نقل ہوا ہے کہ:

{نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ}

"ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں' اور اس کے نہایت چہیتے اور لاڈلے۔"

جس پر اللہ تعالیٰ نے نہایت عبرت انگیز تبصرہ فرمایا:

{قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ}

"(اے نبی ﷺ)! ان سے کہئے کہ پھر اللہ تم پر تمہارے گناہوں کی پاداش میں عذاب کیوں نازل فرماتا رہا ہے؟ بلکہ (اپنے اس زعم کے برعکس) تم بھی ویسے ہی انسان

ہو جیسے دوسرے جو اللہ نے پیدا فرمائے!"

اسی طرح ان کا ایک مزعومہ عقیدہ یہ بھی تھا کہ:

{ لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً } (البقرۃ:۸۰)

"ہمیں تو (جہنم کی) آگ چھو ہی نہیں سکتی سوائے گنتی کے چند دنوں کے۔"

جس پر نہایت فصیح و بلیغ تبصرہ وارد ہوا:

{ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَہۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ } (البقرۃ)

"(اے نبی ﷺ! ان سے پوچھئے) کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے (جس کے بارے میں تمہیں وثوق ہے) کہ اللہ ہرگز اپنے اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا؟ یا تم بغیر کسی علم کے اللہ کی جانب (غلط باتیں) منسوب کر رہے ہو؟" اس نوع کے اجتماعی عذاب کے بارے میں یہ قاعدۂ کلیہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ع "جن کے رُتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے!" کے مطابق کسی اُمت کو جس قدر بلند درجۂ فضیلت حاصل ہوتا ہے اس کے غلط طرزِ عمل پر عذاب کی شدت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی بھی نہایت نمایاں مثال قرآن حکیم میں سابقہ اُمت مسلمہ یعنی یہود ہی کے ضمن میں وارد ہوئی ہے' یعنی ان پر عذابِ الٰہی کی شدت کے بیان کے لیے جو الفاظ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں وارد ہوئے ہیں کہ:

{ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَ الۡمَسۡکَنَۃُ ٭ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ }

"ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔"

ان سے کچھ ہی قبل یہ آیت مبارکہ بھی وارد ہوئی ہے کہ:

{ يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ } (البقرۃ) ”اے بنی اسرائیل! ذرا یاد کرو میرے ان انعامات و احسانات کو جو میں نے تم پر کیے‘ اور میں نے تو تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمادی تھی۔“ پھر یہی معاملہ کسی مسلمان اُمت کے مختلف طبقات کا ہے کہ ان میں سے جسے جتنی زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ اس کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے‘ اور غیر ذمہ‘دارانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں اتنی ہی سخت سزا بھی اسے ملتی ہے۔

(۵) مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ از خود بر آمد ہو جاتا ہے کہ جو قوم نہ کسی رسول کی اُمت ہونے کی مدعی ہو نہ ہی اس کی جانب اس کی یادداشت اور معلوم و محفوظ تاریخ کی حد تک کوئی رسول مبعوث ہوا ہو اس کے عذاب و ثواب اور جزا و سزا کا سارا معاملہ آخرت سے متعلق ہے۔ حیاتِ دُنیوی کی حد تک وہ حیوانات اور چرند و پرند کے مانند اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۰ { كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ } اور سورۃ الاحقاف کی آیت ۲۰ { اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِيۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا } کے مطابق اللہ کی عطا اور جود و سخا کے دستر خوان سے کھا پی سکتے ہیں‘ اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی حد تک تو ان پر صرف سپنگلر کے فلسفۂ تاریخ کے مطابق اس قانونِ طبعی ہی کا اطلاق ہو گا کہ جیسے ہر فرد پیدا ہوتا ہے‘ پھر جوان ہوتا ہے‘ پھر بوڑھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے‘ ایسے ہی قومیں اور تہذیبیں بھی مختلف طبعی اَدوار سے گزر کر بالآخر ختم ہو جاتی ہیں۔ رہا حیاتِ اُخروی اور یومِ قیامت کے محاسبہ کا معاملہ تو وہ تو ہر فردِ نوعِ بشر کا اپنے اپنے نظریات و عقائد اور اخلاق و اعمال کے اعتبار سے طے ہونا ہی ہے۔ ۲۰/ اپریل ۱۹۹۳ء (جاری ہے۔۔۔)

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ، بانی تنظیم اسلامی پاکستان!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب دوم: مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ

معراج کا سفر نامہ

معراج پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے اُن واقعات میں سے ہے جنہیں دنیا میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ عام روایت کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب کی شام کو پیش آیا۔ اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ معراج کس غرض کے لیے ہوئی تھی۔ اور خدا نے اپنے رسول کو بلا کر کیا ہدایات دی تھیں۔ حدیث یہ بتاتی ہے کہ معراج کس طرح ہوئی اور اس سفر میں کیا واقعات پیش آئے۔

اس واقعی کی تفصیلات ۲۸ ہمعصر راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ سات راوی وہ ہیں جو خود معراج کے زمانے میں موجود تھے اور ۲۱ وہ ہیں جنہوں نے بعد میں نبی ﷺ کی اپنی زبانِ مبارک سے اس کا قصہ سنا۔ مختلف روایتیں قصہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں اور سب کو ملانے سے ایک ایسا سفر نامہ بن جاتا ہے جس سے زیادہ دلچسپ، معنی خیز اور نظر افروز سفر نامہ انسانی لٹریچر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتا۔

حضرت محمد ﷺ کو پیغمبری کے منصب پر سرفراز ہوئے بارہ سال گذر چکے تھے۔ ۵۲ برس کی عمر تھی' حرمِ کعبہ میں سو رہے تھے۔ یکایک جبرئیلؑ فرشتے نے آکر

آپ کو جگایا۔ نیم خفتہ اور نیم بیدار حالت میں اٹھا کر آپ کو زمزم کے پاس لے گئے' سینہ چاک کیا، زمزم کے پانی سے اس کو دھویا' پھر اسے حلم اور بردباری اور دانائی اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا جس کا رنگ سفید اور قد خچّر سے کچھ چھوٹا تھا۔ برق کی رفتار سے چلتا تھا اور اسی مناسبت سے اس کا نام "بُراق" تھا۔ پہلے انبیاء بھی اس نوعیت کے سفر میں اسی سواری پر جایا کرتے تھے۔ جب آپ سوار ہونے لگے تو وہ چمکا، جبرئیلؑ نے تھپکی دی اور کہا "دیکھ کیا کرتا ہے، آج تک محمدؐ سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے۔" پھر آپؐ سوار ہوئے اور جبرئیلؑ آپ کے ساتھ چلے۔ پہلی منزل مدینہ کی تھی جہاں اتر کر آپؐ نے نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ نے کہا، اس جگہ آپ ہجرت کر کے آئیں گے، دوسری منزل طور سینا کی تھی جہاں خدا حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا۔ تیسری منزل بیت لحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا جہاں براق کا سفر ختم ہوا۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا' ادھر آؤ: آپؐ نے توجہ نہ کی۔ جبرئیلؑ نے بتایا' یہ یہودیت کی طرف بلا رہا تھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی، ادھر آؤ: آپؐ اس کی طرف بھی ملتفت نہ ہوئے۔ جبرئیلؑ نے کہا: یہ عیسائیت کا داعی تھا۔ پھر ایک عورت نہایت بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپؐ نے اس سے بھی نظر پھیر لی۔ جبرئیلؑ نے کہا: یہ دنیا تھی۔ پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی۔ جبرئیلؑ نے کہا دنیا کی عمر کا اندازہ اس کی عمر سے کر لیجئے۔ پھر ایک اور شخص ملا جس نے آپؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ مگر آپ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ شیطان تھا جو آپؐ کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

بیت المقدس پہنچ کر آپؐ براق سے اتر گئے۔ اور اسی مقام پر اسے باندھ دیا جہاں

پہلے انبیاء اسے باندھا کرتے تھے۔ ہیکل سلیمانی میں داخل ہوئے تو ان سب پیغمبروں کو موجود پایا جو ابتدائے آفرینش سے اُس وقت تک دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؐ کے پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں۔ سب منتظر تھے کہ امامت کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔ جبرئیلؑ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور آپؐ نے سب کو نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے ایک میں پانی، دوسرے میں دودھ۔ تیسرے میں شراب۔ آپؐ نے دودھ کا پیالا اٹھالیا۔ جبرئیلؑ نے مبارک باد دی کہ آپؐ فطرت کی راہ پا گئے۔

اس کے بعد ایک سیڑھی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور جبرئیلؑ اس کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ سارا واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہے۔

پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ محافظ فرشتوں نے پوچھا کون آتا ہے؟ جبرئیلؑ نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا' محمد ﷺ۔ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں۔ تب دروازہ کھلا اور آپ ﷺ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں آپؐ کا تعارف فرشتوں اور انسانی ارواح کی اُن بڑی بڑی شخصیتوں سے ہوا جو اس مرحلہ پر مقیم تھیں۔ ان میں نمایاں شخصیت ایک ایسے بزرگ کی تھی جو انسانی بناوٹ کا مکمل نمونہ تھی۔ چہرے مہرے اور جسم کی ساخت کسی پہلو سے کوئی نقص نہ تھا۔ جبرئیلؑ نے بتایا: یہ آدمؑ ہیں، آپ کے مورث اعلیٰ۔ ان بزرگ کے دائیں بائیں بہت لوگ تھے۔ وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ بتایا کہ یہ نسلِ آدمؑ ہے۔ آدم اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ کو تفصیلی مشاہدہ کا موقع دیا گیا۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹتے ہیں اتنی ہی زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں ے کچلے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی سر گرانی ان کو نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح چر رہے تھے۔ پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ انہیں اٹھاتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے، پوچھا یہ کون احمق ہے؟ کہا گیا: یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لادے چلا جاتا تھا۔

پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بلا تکلف بنا چلاتے اور فتنہ برپا کیا کرتے تھے۔

ایک اور جگہ دیکھا کہ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس سے ایک بڑا موٹا سا بیل نکل آیا۔ پھر وہ بیل اسی شگاف میں جانے کی کوشش کرنے لگا، مگر نہ جا سکا۔ پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا یہ اس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کر جاتا ہے' پھر نادم ہو کر اس کی تلافی چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ

کون ہیں؟ کہا گیا: یہ دوسروں پر زبانِ طعن دراز کرتے تھے۔

انہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزت پر حملے کیا کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ یتیموں کا مال ہضم کرتے تھے۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا گیا: ہ سود خور ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس چکنا گوشت رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے حلال بیویوں اور شوہروں کے ہوتے حرام سے اپنی خواہشِ نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کچھ عورتیں اپنی چھاتی کے بَل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہین؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے سر ایسے بچے منڈھ دیئے جو ان کے نہ تھے۔

انہی کے مشاہدات کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترش روئی سے ملا۔ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا' اب تک جتنے فرشتے ملے تھے سب خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ ان حضرت کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا: اس کے پاس ہنسی کا کیا کام، یہ تو دوزخ کا داروغہ

ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے یکا یک آپ ﷺ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھادیا۔ اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

اس مرحلے سے گذر کر آپؐ دوسرے آسمان پر پہنچے۔ یہاں کے اکابر میں دو نوجوان سب سے ممتاز تھے۔ تعارف پر معلوم ہوا یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں۔

تیسرے آسمان پر آپؐ کا تعارف ایک ایسے بزرگ سے کرایا گیا جن کا حُسن وام انسانوں کے مقابلے میں ایسا تھا جیسے تاروں کے مقابلے میں چودھویں کا چاند۔ معلوم ہوا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

چوتھے آسمان پر حذرت ادریسؑ، پانچویں پر ھضرت ہارونؑ، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ آپؐ سے ملے۔ ساتویں آسمان پر پہنچے تو ایک عظیم الشان محس (بیت المعمور) دیکھا جہاں بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے۔ اس کے پاس آپؐ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو خود آپؐ کے بہت مشابہ تھے۔ تعارف پر معلوم ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

پھر مزید ارتقاء شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو پیش گاہ رب العزت اور عالمِ خلق کے درمیان حدِّ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیچے سے جانے والے یہاں رک جاتے ہیں۔ اور اوپر سے احکام و قوانین براہِ راست یہاں آتے ہیں۔ اسی مقام کے قریب آپ ﷺ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اور آپؐ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو جسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گذر سکا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیلؑ ٹھر گئے اور آپؐ تنہا آگے بڑھے۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہِ جلال سامنے تھی۔ ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔ جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں

سے چند یہ ہیں:-

ا۔ ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

۲۔ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔

۳۔ شرک کے سوا دوسرے گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا۔

۴۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا۔ اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

پیشیٔ خداوندی سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے روداد سُن کر کہا میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی۔ جایئے اور رحمی کیلئے عرض کیجئے۔ آپؐ گئے اور اللہ جل شانہ نے ۱۰ نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی۔ اُن کے کہنے پر آپؐ بار بار اوپر جاتے رہے۔ اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

واپسی کے سفر میں آپؐ اسی سیڑھی سے اتر کر بیت المقدس آئے۔ یہاں پھر تمام پیغمبر موجود تھے۔ آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی جو غالباً فجر کی نماز تھی۔ پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس پہنچ گئے۔

صبح سب سے پہلے آپؐ نے اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانی کو یہ روداد سُنائی۔ پھر باہر نکلنے کا قصد کیا۔ انہوں نے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور کہا: خدا کے لیے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنایئے گا۔ ورنہ ان کو آپؐ کا مذاق اڑانے کا ایک اور شوشہ ہاتھ آجائے گا۔ مگر آپ یہ کہتے

ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ حرم کعبہ میں پہنچے تو ابو جہل سے آمنا سامنا ہوا۔ اس نے کہا' کوئی تازہ خبر؟ فرمایا ہاں' پوچھا کیا؟ فرمایا کہ میں آج کی رات بیت المقدس گیا تھا۔ کہا: بیت المقدس؟ راتوں رات ہو آئے؟ اور صبح یہاں موجود ہو؟ فرمایا ہاں۔ کہا قوم کو جمع کروں؟ سب کے سامنے یہی بات کہو گے؟ فرمایا بے شک، ابو جہل نے آوازیں دے دے کر سب کو جمع کر لیا اور کہا لو اب کہو۔ آپ نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کر دیا۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ دو مہینہ کا سفر ایک رات میں؟ ناممکن! محال! پہلے تو شک تھا۔ اب یقین ہو گیا کہ تم دیوانے ہو گئے ہو۔ (معاذ اللہ)

آناً فاناً یہ خبر تمام مکہ میں پھیل گئی۔ بہت سے مسلمان اس کو سن کر اسلام سے پھر گئے۔ لوگ اس امید پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست ہیں' یہ پھر جائیں تو اس تحریک کی جان ہی نکل جائے۔ انہوں نے یہ قصہ سن کر کہا اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہو گا' اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ حرمِ کعبہ میں آئے، رسول اللہ ؐ موجود تھے۔ اور ہنسی اُڑانے والا مجمع بھی۔ پوچھا' کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے؟ جواب دیا' ہاں۔ کہا بیت المقدس میں نے دیکھا ہوا ہے' آپ وہاں کا نقشہ بیان کریں۔ آپ نے فوراً نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک ایک چیز اس طرح بیان کی گویا بیت المقدس سامنے موجود ہے۔ اور دیکھ دیکھ کر اس کی حقیقت بتا رہے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اس تدبیر سے جھٹلانے والوں کو ایک شدید ضرب لگی۔ وہاں بکثرت ایسے آدمی موجود تھے جو تجارت کے سلسلے میں بیت المقدس جاتے رہتے تھے وہ سب دلوں میں قائل ہو گئے کہ

نقشہ بالکل صحیح ہے۔ اب لوگوں آپؐ کے بیان کی صحت کا مزید ثبوت مانگنے لگے۔ فرمایا: جاتے ہوئے میں فلاں مقام پر فلاں قافلہ پر سے گذرا جس کے ساتھ یہ سامان تھا' قافلہ والوں کے اونٹ بُراق سے بھڑ کے 'ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا۔ میں نے قافلے والوں کو اس کا پتہ دیا۔ واپسی میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کا قافلہ مجھے ملا۔ سب لوگ سو رہے تھے، میں نے ان کے برتن سے پانی پیا' اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس سے پانی پیا گیا ہے۔ ایسے ہی کچھ اور اَتے پتے آپؐ نے دیئے اور بعد میں آنے والے قافلے سے ان کی تصدیق ہو گئی۔ اس طرح زبانیں بند ہو گئیں مگر دل یہی سوچتے رہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج بھی بہت سے لوگ سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوا۔؟

۳۰ جولائی ۱۹۴۳ء

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، بانی جماعت اسلامی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب سوم، حصہ اول: **شجاع الدین شیخ** حفظہ اللہ

ہم اور ہمارا گھر

خطبہ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا} (التحریم: ۶)

{وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ} (الطور: ۲۱)

معزز سامعین کرام! اس وقت ہمارا موضوع ہے "ہم اور ہمارا گھر"۔ اس سے پہلے تعلق مع القرآن، تزکیہ نفس اور توبہ کی تاثیر سے جو بات پہلے دن شروع ہوئی تھی، الحمدللہ وہ فرائض دینی کے جامع تصور، اجتماعیت کی ضرورت واہمیت، دین کا انقلابی تصور اور پھر منہج انقلابِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہوئی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی، جو ربِّ کائنات نے ہمیں عطا فرمایا ہے، تک پہنچ گئی۔ اس سے شاید محسوس یہ ہوا کہ ہم تدریجاً بہت اوپر چلے گئے اور اِس وقت کے موضوع سے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم بہت نیچے آ رہے ہیں، تو اس سوال کو حل کر لیتے ہیں۔

امیر محترم بھی ہمیں بار بار قرار دادِ تاسیس پڑھاتے ہیں اور یاد دہانی کراتے ہیں کہ دین کا اصل مخاطب فرد ہے، اور جب فرد سے بات آگے بڑھے گی تو "الاقرب فالاقرب" کی بنیاد پر بڑھے گی۔ البتہ کوشش یہ ہو گی کہ دین کا جامع تصور جو ہمارے سامنے ہے اور ہم جو نظام کی

سطح پر ایک ہمہ گیر انقلاب کی گفتگو کرتے ہیں اور ایک انقلاب برپا کرنے کے لیے کوشاں ہیں تو اس کا ایک عکس (replica) پہلے اس سطح پر تو دکھائی دے' جہاں میرے اور آپ کے پاس اختیار موجود ہے۔ افراد کی یہ تبدیلی ہی کسی اجتماعی تبدیلی کا پیش خیمہ بنے گی۔ پھر یہ گھر بھی ایک ریاست کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر اس ریاست پر اور ساڑھے پانچ چھ فٹ کے ہمارے وجود پر اللہ کے دین کا نفاذ اس حد تک نہ ہو پائے جس حد تک ہم عمل درآمد کر سکتے ہیں تو سوچنا پڑے گا کہ کس منہ سے ہم باہر نکل کر اللہ کے دین کے نفاذ کی بات کریں گے' کس منہ سے دنیا کے سامنے اسلامی ریاست کا کوئی تصور پیش کر سکیں گے۔ یہ ذرا تلخ جملہ ہو گیا' لیکن امر واقعہ یہی ہے اور اسی احساس کے ساتھ ہم نے اپنی ذات اور اپنے گھر سے اس سلسلہ کو شروع کرنا ہے اور پوری انسانیت تک اس پیغام اور دعوت کو لے کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

گھر کے مختلف گوشے

گزشتہ چند تقاریر میں بھی یہ جملہ سننے کو ملا کہ ہمارے پاس ایک موضوع ہوتا ہے لیکن اس کو کھولتے چلے جائیں تو وہ موضوع کھلتا ہی چلا جاتا ہے۔ گویا ہم اگر 'عبادت' یا 'دین' کے لفظ سے بات شروع کریں تو سارے دین کا تصور اس میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح 'جہاد' کے لفظ سے بات شروع کریں تو بہت وسیع تر پہلو ہمارے سامنے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے آج 'گھر' کو بھی تھوڑا سا کھول لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کو کھولنے پر آئیں تو بات کہاں تک جائے گی۔ اس وقت ہمارے مکتبہ میں محترمہ عامرہ احسان صاحبہ کی ایک بہت عمدہ کتاب ''میرا گھر'' کے عنوان سے موجود ہے' اس میں ماشاء اللہ انہوں نے گھر کے بڑے گوشے کھولے ہیں۔ چنانچہ وہاں سے بھی کچھ نکات میں آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔

<u>(۱) گھر ریاست کی مانند ہے:</u> پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارا گھر ایک ریاست کی مانند ہے'

اور جیسے ریاست کا ایک سربراہ ہوتا ہے ' اسی طرح گھر کا بھی ایک سربراہ ہے' جس کے بارے میں سورۃ النساء میں فرمادیا گیا: {اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ} (النساء: ۳۴) ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''---------یہ تو ہم سب کو یاد ہوتا ہے' لیکن ''سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ'' یہ مشکل سے یاد رہتا ہے --------بہر حال گھر ایک ریاست کی طرح ہے اور جس طرح ریاست میں سیاست ہوتی ہے اسی طرح گھر میں بھی سیاست ہو گی' اس کا بھی انتظام ہو گا۔ جس طرح ریاست میں معیشت کے مسائل ہیں' اسی طرح گھر میں بھی معیشت کے مسائل اور معاملات ہوں گے۔ پھر جس طرح ریاست کی سطح پر نظامِ معاشرت اور معاشرتی نظام کی بات آتی ہے تو گھر میں بھی معاشرت کے معاملات آئیں گے۔ اسی طرح ریاست کی سطح پر اگر وقت کے حکمرانوں کے لیے قرآن کہتا ہے: {اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ} (الحج: ۴۱) ''وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے'' تو گھر کے سربراہ کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ عبادات کا اہتمام وہ اپنے گھر میں بھی کرانے کی کوشش کرے۔ لہٰذا اگر گھر کو تھوڑا سا اس انداز سے کھولیں جیسے ایک ریاست پر گفتگو ہوتی ہے تو پھر گھر کی سیاست ' اس کی معیشت ' اس کی معاشرت اور اس کے نظامِ عبادت پر بھی گفتگو ہو گی۔

(۲) میاں بیوی کا باہمی تعلق: گھر کے بارے میں ایک اور بہت اہم گوشہ بانی محترمؒ بھی ہمیں سمجھاتے رہے اور ہم بھی اپنے دروس میں ذکر کرتے ہیں کہ گھر کس طریقے پر بنتا ہے------مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلق کے قائم ہونے سے گھر کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ گھر کے اندر زوجین کے آپس میں تعلقات گھر کا پہلا گوشہ ہے۔ اب یہ ایک پورا موضوع ہے کہ شوہر کی ذمہ داریاں اور بیوی کی ذمہ داریاں ' شوہر کے حقوق اور بیوی کے

حقوق، ان میں آپس کا تعلق اور اس تعلق کو برقرار رکھنا، اس کو بہتر بنانا۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ اس گھر کو برباد کر دے، جبکہ رحمان نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ زوجین میں اس طرح کا قرب ہونا چاہیے۔

(۳) والدین و اولاد اور رحمی رشتوں کا معاملہ: مرد و عورت کے تعلق کے بعد اللہ عزوجل نے اولاد عطا فرما دی تو اب والدین اور اولاد کے باہمی تعلق کا معاملہ ہو گیا۔ اب والدین کے حقوق، والدین کا ادب اور والدین کی خدمت وغیرہ پورا تفصیلی موضوع ہے۔ اسی طرح اولاد کی تربیت اور اس کی کفالت کا معاملہ ہے (اولاد کی روحانی کفالت بھی ہے جس طرح اس کی مادی کفالت کی جاتی ہے) تو یہ بھی اپنی جگہ پورا موضوع ہے۔ اسی طرح بہن بھائیوں کے درمیان رحمی رشتہ ہے اور رحمی رشتوں کا معاملہ ایک پورا dimension ہے جس پر تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔

(۴) ایمان ہی رشتوں کی اصل بنیاد ہے: ایک اہم بات یہ ہے کہ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں اور ہمارے ان رشتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ خصوصی نعمت عطا فرمادی کہ ہمارے گھرانے مسلمان ہیں، ورنہ وقت کے پیغمبروں کو بھی اولاد کو سمجھانا پڑتا تھا اور پتا نہیں کتنے جتن کرنے پڑتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اپنے سامنے رکھ لیجیے۔ اس تعلق سے ہمارا اصل رشتہ ایمان کی بنیاد پر ہے اور اصلاً جو رشتہ اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ خونی رشتہ نہیں بلکہ وہ ایمان کی بنیاد پر بنا ہوا رشتہ ہے۔ اس تعلق سے بات کریں تو پیغمبروں کے واقعات میں بہت کچھ راہنمائی ہمارے سامنے آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات میں بہت سارے گوشے ہمارے سامنے آتے ہیں کہ اصل رشتہ، ایمان کا رشتہ ہے اور رشتوں میں اصل بنیاد ایمان ہے۔

(۵) اصل گھر آخرت کا گھر ہے: ایک اہم بات یہ ہے کہ آج جس گھر کو ہم 'اپنا گھر' کہتے

پہلی اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کرائے کا گھر ہے۔ گھر کی ملکیت خواہ آپ کے اور میرے نام ہے، لیکن اصل میں وہ کرائے کا ہے' اس لیے کہ ہم نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ ہمارا اصل گھر تو وہ آخرت کا گھر ہے جسے قرآن نے "دار القرار" قرار دیا ہے۔ فرمایا: { اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ } (المؤمن) "یہ دنیا کی زندگی تو بس (چند روزہ) برتنے کا سامان ہے اور مستقل رہنے کی جگہ تو آخرت ہے"۔ اب اصل گھر کے تعلق سے گفتگو کی جائے تو یہ بہت بڑا موضوع ہمارے سامنے آتا ہے۔

(۶) سربراہِ خانہ کی اصل ذمہ داری: گھر والوں کی کفالت کی ذمہ داری مرد ہونے کے ناطے شوہر اور باپ پر ڈالی گئی ہے۔ اس کفالت کے حوالے سے قرآن حکیم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں تفصیلاً گفتگو کی جا سکتی ہے' لیکن سربراہِ خانہ کی اصل ذمہ داری یہ ہے: { قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا } (التحریم:۶) کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر اور کوشش کرو۔ تو یہ وہ گوشہ ہے جو میری اور آپ کی اصل ذمہ داری ہے اور یہاں سے آغاز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس ذمہ داری کا مزید احساس عطا فرمائے اور اسے ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین!

(۷) رسول اللہ ﷺ کے گھروں کی کیفیت: پھر گھر کا ایک اور گوشہ کھولیں کہ گھر ہمارے بھی ہیں اور گھر اللہ کے رسول ﷺ کے بھی تھے۔ سورۃ الحجرات ہم میں سے اکثر ساتھیوں کو یاد بھی ہے اور دروس میں اس کا اہتمام بھی ہوتا ہے' تو کبھی رسول اللہ ﷺ کے ان حجروں کی کیفیت بھی بیان ہو جانی چاہیے اور دیکھ لینا چاہیے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ کا معاملہ کیسا تھا۔ یہ بھی بہر حال ایک بہت بڑا موضوع ہے جس پر آگے چل کر تھوڑی گفتگو کریں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ رسول اللہ ﷺ کے حجروں میں معاملات کیسے تھے۔ (۸) دنیا کے غم کوئی معنی نہیں رکھتے: آج ہمارے گھروں کے اندر بہت سارے غم ہیں' بڑی پریشانیاں ہیں۔

گھر چھوٹا ہے' بچوں کی تعلیم کے اعتبار سے وسائل کم ہیں اور زیادہ مہنگے اداروں میں اپنے بچوں کو پڑھا نہیں پائیں گے۔ خواتین کے زیورات اور کپڑوں کے مسائل ہیں۔ لیکن یہ دیکھ لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا غم کیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے غم کیسے غم تھے؟ وہ غم اگر ہمارے سامنے رہیں تو ہمارے غم تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ ''ہم اور ہمارا گھر'' کے عنوان کے تحت اس گوشے کو بھی کھولا جا سکتا ہے۔

ان بہت سارے گوشوں کے علاوہ بھی مزید گوشے ہیں جو اس موضوع کے تحت ہمارے سامنے آ سکتے ہیں۔ میں نے فقط آپ کے سامنے یہ تمہید رکھنے کی کوشش کی ہے۔ آگے بھی صرف چند باتوں کی طرف توجہ دلانا ہی مقصود ہے' ورنہ مندرجہ بالا ہر گوشہ اپنی جگہ ایک مکمل موضوع ہے' جس پر تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ گھر والوں سے حسن سلوک کی ضرورت واہمیت

آج ہم اجتماع میں بھی موجود ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ یہاں ہم ایثار و قربانی اور خدمت باہمی کا بھی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ حسن سلوک کا سب سے بڑھ کر مستحق ماں ہے' پھر ماں' پھر ماں اور پھر والد! اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو' اور میں تم میں سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''

لیکن معاملہ یہ ہے کہ بعض گھرانوں سے ہمیں شکایتیں آتی ہیں کہ اجتماعات میں جاتے ہیں تو بڑے اچھے مسکراتے چہروں کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر واپس آ کر وہاں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ہم نے وہاں کھانا بھی serve کیا تھا' ہم نے ڈیوٹی بھی دی تھی' ہم نے یہ بھی کیا

تھا، ہم نے وہ بھی کیا تھا، لیکن گھر میں آ کے صورتِ حال یہ بن جاتی ہے کہ اُٹھ کر خود سے پانی پینا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ اپنے گھروں میں ایسا رویہ رکھنے والے اللہ کے رسول ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث کہاں لے کر جائیں گے؟ یہ حسن سلوک ہم اجتماعات میں ہی چھوڑ کر کیوں چلے جاتے ہیں؟ اپنے اُسرے میں یا مقامی سطح کے کسی اجتماع میں یا حلقے کی سطح کے اجتماع میں یا سالانہ اجتماع کے اندر تو، الحمد للہ، حسن سلوک کا بڑا مظاہرہ ہوتا ہے، لیکن کیا گھر میں اس کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا؟ کیا گھر والے ہمارے حسن سلوک کے حق دار نہیں ہیں؟ یہ بات ہمارے بھائیوں پر بڑی بھاری پڑ جاتی ہے اور جب ہم بیان کرتے ہیں تو وہ ناراض ہوتے ہیں کہ آپ عورتوں کے حقوق کی زیادہ بات کرتے ہیں۔

بھائیو! ذرا غور کیجیے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱: {لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ} ہم یقیناً بیان کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس آیت کے سیاق و سباق میں غزوۂ احزاب کا بیان ہے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے پیٹ پر پتھر بھی باندھے، فاقہ بھی برداشت کیا، خندقیں بھی کھودیں، اور اس طرح کے باقی معاملات بھی تھے۔ لیکن گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا؟ اس کے بارے میں ہمارے سامنے گھر کی گواہیاں نہیں آرہی ہیں؟ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرما رہی ہیں! آپؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کیسے رہتے ہیں؟ وہ بتاتی ہیں کہ ایک عام انسان کی طرح رہتے ہیں، آرام بھی فرماتے ہیں، قیام بھی فرماتے ہیں، اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں (یہ اسوہ ہم لوگ بھول جاتے ہیں)، اپنے جوتے میں ٹانکا لگا لیتے ہیں، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے ہیں، بکری کا دودھ نکال لیتے ہیں اور برتنوں کو سمیٹ دیا کرتے ہیں۔ آج کوئی مرد ہمارے معاشرے میں یہ کام کرے تو اسے کہتے ہیں "زن مرید"----- انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کا امتی یہ جملہ کیسے کہہ سکتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ اماں عائشہؓ نے بیان

فرمادیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیسے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ اس گوشے میں محنت کی ضرورت ہے۔ باہر تو بڑے ادب اور اخلاق سے گفتگو ہو رہی ہے' بڑوں اور بزرگوں سے بڑے احترام سے بات ہو رہی ہے' چھوٹوں کو بھی سلام ہو رہا ہے--------- لیکن یہ کہ گھر میں والدہ کی طرف سے شکایت آتی ہے کہ گھر کے اندر کبھی سیدھے منہ بات نہیں ہوتی' بلکہ ہمیشہ اُکھڑے ہوئے انداز میں یا چلّا کر بات کرتے ہیں۔ بعض اوقات جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ دو تقریریں سن لیں' خود تقریر کرنا آگئی' چار کتابیں پڑھ لیں اور انداز ایسا ہو گیا! اس کے بعد کہتے ہیں کہ جناب کیا کریں گھر سے مخالفت تو ہونی ہے' دین کی راہ میں نکلے ہیں تو مخالفت تو ہو گی نا! پھر ان آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

{وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ؕ }

''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔ اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دیجیے ان صبر کرنے والوں کو۔ وہ لوگ کہ جن کو جب بھی کوئی مصیبت آئے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔''

یہ بڑی چبھتی ہوئی بات ہے کہ یہ من چاہے بشارات کے وہ خواب ہیں جو ہم دیکھنے بیٹھ جاتے ہیں' حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے' بلکہ پیچھے غلطی یہ ہو رہی ہے کہ جو حسن سلوک گھر سے باہر ہے' گھر میں آ ہی نہیں رہا--------- یہ سب کی بات نہیں ہو رہی' اسے دل پر نہ لیجیے گا' لیکن یہ ہمارے عملی مسائل ہیں --------- اور پھر ہم کہیں گے کہ گھر سے مخالفت آ رہی ہے' بس دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا فرمائے! چنانچہ یہ وہ گوشہ ہے جہاں ہمیں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر میرے والدین ہیں تو ان کے ساتھ میرا

رویہ کیسا ہونا چاہیے؟ اس وقت والدین سے تعلق کے حوالے سے کوئی درس دینا مقصود نہیں ہے‘لیکن اتنا ضرور یاد رکھیے کہ ”وہ آپ کی جنت بھی ہیں اور آپ کی جہنم بھی!“

پھر وہ حدیث ذہن میں لائیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ملاحظہ کیجیے کہ آپؐ نے بچوں کو‘ چاہے وہ دوسروں کے بچے ہیں‘ آگے بڑھ کر سلام کر کے دکھایا اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو سلام میں پہل کرے وہ تکبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اب آپ کے اور ہمارے بچوں کو بھی یہ حدیثیں معلوم ہوں گی‘ الحمد اللہ! لیکن بچے نوٹ کر رہے ہیں کہ ابو صرف درس میں بیان کرتے ہیں یا سلام بھی صرف محافل میں کرتے ہیں۔ گھر آ کر تو وہ سلام نہیں کہتے یا سلام میں پہل نہیں کرتے۔ اسی طرح بچوں کو سکول جانا ہوتا ہے تو وہ صبح جلدی اٹھ جاتے ہیں ‘مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ ابو فجر کے وقت بھی سو رہے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ ابا حضور کون سی اقامت دین کی بات کرتے ہیں‘ حالانکہ وہ خود تو اقامت صلاۃ میں ہی سستی کر رہے ہیں۔ تو اس گوشہ میں قول و فعل کا تضاد کھل کر سامنے آتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ سورۃ الصف کہاں لے کے جائیں گے جس میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۳﴾}

”اے ایمان والو! کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو انتہائی ناراض کر دینے والی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔“ (جاری ہے۔۔۔)

محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ، امیر تنظیم اسلامی پاکستان

باسمہ تعالیٰ

سلسلہ اسلام کا سفر ایمان سے!

مریم ابو بکر، صدر حلقہ خواتین

غور:

کیا کبھی غور کیا ہے ؟! غور !! غور !!۔

سمجھ نہیں لگ رہی۔ کس پر ! کیا!۔

غور صرف غور ! ہر چیز اور تخلیق پر۔ کوئی ہے جو کہتا ہے غور کرو!!۔ ذرا غور کرو!۔

کیا سب کچھ بس یوں ہی ہے ؟! کیا یہ قدرت کی خوبصورت تخلیقات بس ایسے ہی قدرتی طور پر بے وجہ بن گئیں ؟! کیا دنیا میں سب کچھ بے وجہ ہے ؟! چلو مانا سب کچھ بے وجہ ہے، پھر انسان کے اندر محبت، نفرت، شدت جیسے جذبات کیوں ؟! ذرا غور کرنا، کیوں کے یہ ایک چیز کو جنم دے گا اور وہ ہے فکر۔

فکر:

جیسے کے پہلا مرحلہ غور کا ہوتا ہے، تو یہ بہت سے سوالوں کو جنم دیتا ہے۔ اُنہی جوابوں کو سمجھنے، اُن پر غور کر کے ان کے اوپر تحقیق کو فکر کہتے ہیں۔ غور و فکر کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ یعنی غور سے فکر پیدا ہوتی ہے، ایک چیز پر غور اور پھر فکر کیا جاتا ہے۔ کسی بھی مذہب یا نظریے پر غور و فکر کرنے والا ہی اہلِ دانش کا گروہ ہے۔ پھر وہاں سے صحیح طرف کو چننے والا حاکم' یعنی حکمت رکھنے والا۔ تو جیسے غور کی چابی نے فکر کے

تالے کو کھولا، اُسی مانند یہ فکر کی چابی ان شاء اللہ ایک اور تالے کو کھولے گی اور وہ ہے طلب یا تڑپ۔

تڑپ / طلب:

تڑپ وہ شے ہے جو انسان کو گہرائیوں میں لے جا کر، اُس کی حق کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ طلب اگر کسی میں آجائے، تو ممکن ہی نہیں کے وہ سچ اور صحیح کو جانے / سمجھے بغیر رہ سکے۔ اپنے اندر اس چیز کو پانا بھی ایک خاص نعمت ہے۔ یوں کہا جائے کہ اس کے نام سے ہی اس کی مکمل شناخت ہے، تو غلط نہ ہو گا۔ یقیناً تڑپ انتہائی غور و فکر کے بعد ہی ممکن ہے۔ تڑپ سے پھر جو راستہ نکلتا ہے، وہ یقیناً صحیح راہ تک ہی رہنمائی کرتا جائے گا، بشرطیہ کہ انسان خود مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔

ایمان۔کو۔پانا:

حق کی جانب جانے والا راستہ ایک ایماندار / وفادار شخص کو اس منزل کی جانب دھکیلتا ہے، جو اس کے قلب کو سکون بخشے، اور جو اس کی روح سے ملاقات کا باعث بنے۔ یقیناً ہر ایک صحیح منزل کو نہیں پہنچ سکتا، پر مضبوط حکمت اور ارادے رکھنے والا۔ اور صبر کرنے والے کے لیے یہ آزمائشیں سبق آمیز ہوتی ہیں۔ ایمان کو پانے کا مقصد ہرگز اختتام نہیں ہوتا، مگر زندگی کے اصلی امتحانات کی جانب سفر کی شروعات / ابتداء ہوتی ہے۔ یقیناً یہ امتحانات ایسے شخص کو صرف خوشی اور سکونِ قلب ہی بخشتے ہیں۔

محترمہ مریم ابوبکر، صدر حلقہ خواتین

عرضِ حال بجنابِ سَرورِ کائنات ﷺ

مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

اے خاصہءِ خاصانِ رُسُل وقتِ دُعا ہے
اُمت پہ تِری آ کہ عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

وہ دین، ہوئی بزمِ جہاں، جس سے چراغاں
آج اُس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جس دین نے دل آ کہ تھے غیروں کے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جُدا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
مُنعم ہے سو مغرور ہے، مُفلِس سو گدا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے

فریاد ہے اے کشتیءِ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کا قریب آن لگا ہے

تنظیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان

Email: tanzeempakistanofficial@gmail.com

Number: +923112104714

fb.com /tanzeempakistanofficial

fb.com /drisrarahmedraofficial

www.tanzeempakistan.ezyro.com

instagram.com /drisrarahmedraofficial

منتظم:

عمر فاروق

OUR TEAM

> SM Umar Farooq
> M. Raahim Azam
> Hammad Shahab
> Mariyam Abu Bakkar